عاصم نعمانی

ہستی بیقرار

حضورؐ کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز ایک قاری کے فکر و احساس پر نمایاں طور پر اثر ڈالتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی ہے، وہ رحمتِ عالم کی "بے قراری" ہے ان نادان انسانوں کے لئے بے قراری جو دین و اخلاق کی بلندیوں سے کفر و معصیت کے عمیق ترین گڑھوں میں جا گرتے ہیں اور یوں "احسنِ تقویم" کی بلندی سے "اسفل السافلین" کی پستی میں لڑھکتے نظر آتے ہیں حضورؐ کی یہ بیقراری اس بیقراری سے کہیں زیادہ ہے جو ہم کسی دنیوی تباہی یا جسمانی حادثات پر محسوس کرتے ہیں۔ سیرت کے اس پہلو کا مطالعہ کرتے وقت ایک ایسی ہستی کا تصور بندھتا ہے جو سراپا بیقراری اور اضطراب ہے جیسے صرف ایک ہی غم ہے اور ایک ہی فکر لاحق ہے کہ خدا کے نادان بندے جہنم کی ہولناک تباہی سے بچ جائیں اور کفر و شرک کی راہ سے ہٹ کر ہدایت کی سیدھی راہ پر گامزن ہو جائیں جب دنیا کی محدود اور ختم ہونے والی تباہی کا منظر ہمیں بے چین کر دیتا ہے تو آخرت کی ہولناکیوں کا غیر متزلزل یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا بے چین اور بے قرار رکھتا ہوگا۔ جب وہ اپنے ہی جیسے جسم و جان رکھنے والے انسانوں کو دائمی تباہی اور جہنم کی طرف بڑھتا دیکھتے ہوں گے۔

کسی دو منزلہ عمارت پر ایک ننھا سا بچہ چھت کے کنارے کھڑا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے نادان بچہ بالکل نہیں جانتا کہ وہ ایسی خوفناک موت اور تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسی تباہی کہ گرتے ہی اس کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی اور اس کے جسم و جان کا تعلق نہایت عبرتناک طریقے سے ختم ہو جائے گا۔ یہ منظر دیکھتے ہی ہم بے چینی اور اضطراب کے عالم میں چیختے اور بے تابانہ اس کو بچانے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ کون ہوگا جو اس کی سسکتی لاش، پھٹے ہوئے سر اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا

دل دوز منظر دیکھنے کے لئے تیار ہوگا اور کون ہوگا جو اس وقت اپنی جان پر کھیل کر اس بچے کو موت کے اس خوفناک انجام سے بچانے کی کوشش نہ کرے گا۔ ایسا کیوں ہے ؟ اسی لئے تو کہ اس بچے سے ہمیں محبت ہے، وہ ہماری نوع کا ایک نادان فرد ہے اور ہمیں یقین ہے کہ دو منزلہ عمارت سے گرنا اس کی تباہی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سراپا رحمت ہستی ہے۔ جسے شب و روز ایک ہی فکر دامن گیر ہے، ایک ہی دھن اور ایک ہی غم ہے کہ خدا سے بچھڑے ہوئے خدا سے مل جائیں۔ اسی تصور میں اس کی راتیں کٹتی ہیں اور اسی تگ و دو میں اس کے دن بیتتے ہیں۔ گمراہوں اور سرکشوں کو دندناتے دیکھ کر اس کا دل روتا ہے، اس کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں اور وہ ان کی ہدایت کے لئے بے قرار اور بے چین ہے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ)

(لوگو، تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسولؐ آئے ہیں، تمہارا گمراہی میں پڑنا ان پر انتہائی شاق ہے۔ تمہاری فلاح کے لئے وہ انتہائی حریص ہیں اور مومنوں کے لئے تو بہت شفیق و مہربان ہیں۔)

عَنِتُّمْ کے معنی دنیوی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہونے کے بھی ہیں اور گناہ کرنے اور گمراہی میں پڑنے کے بھی، لیکن قرآن کریم نے جس سیاق و سباق میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے وہ کفر و معصیت کی تباہی میں مبتلا ہونے اور گمراہی کی راہ پر پڑنے کے معنی میں ہے سورہ الحجرات میں ہے :

لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (اگر بہت سی باتوں میں رسولؐ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم گمراہی میں جا پڑو۔)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ شاق یہ بات ہے کہ لوگ گمراہی اور کفر و شرک میں پڑے رہیں۔ اور آپؐ کی انتہائی آرزو اور دلی تمنا یہی رہی ہے کہ لوگ فلاح یاب ہوں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ کفر و شرک کی حقیقت دائمی عذاب ہے اور ایمان و ہدایت کی حقیقت خدا کی رضا اور جنت کی لازوال نعمتیں ہیں۔ یہی یقین اور انسانی درد آپؐ کو ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ اور اللہ کی طرف سے بار بار تسلی پانے کے باوجود آپؐ کے اضطراب

اور فکرمندی میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔

مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (تمہارے ذمے صرف پہنچا دینا ہے) "اور یہ فریضہ آپؐ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔" ——— "اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔"

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (ان کے حساب اور بدعملی کی ذمہ داری آپؐ پر ہرگز نہیں۔)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ (آپ کو تو ہم نے صرف انجام بد سے خبردار کرنے والا اور انجام خیر کی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے) لیکن ان تسلیوں کے باوجود آپؐ کا حال یہ ہے کہ خدا سے بھٹکے ہوئے نادانوں کے لئے گھُلے جاتے ہیں۔ گمراہی سے بچانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا شوق، تڑپ اور ولولہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ آپؐ اپنے چچا ابو طالب کو ٹھیک ان کے مرض الموت میں وفات کے وقت اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ "چچا جان اگر آپ اس وقت بھی کلمہ پڑھ لیں تو قیامت کے روز میں آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں گا۔"

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا۔"
(شاید آپؐ اس رنج و غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ اگر یہ لوگ اس کلامِ ہدایت پر ایمان نہ لائیں۔)

یہ مختصر آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے قراری کی صحیح تصویر ہمارے سامنے رکھتی ہے اور اس چھوٹے سے آئینے میں ہم حضورؐ کی تڑپ، ولولے، شوق اور بے قراری کو پوری طرح دیکھ سکتے ہیں۔ اس آیت میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں!

ایک یہ کہ رسولؐ ایک بے قرار ہستی ہے۔ جسے اپنے مقصد کا عشق ہے، یہی لگن ہے اور جسے یہ فکر دامن گیر ہے کہ اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس سے ملائے،

دوسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ شوقِ ہدایت میں گھُلنا ہی داعی کا حقیقی جوہر ہے اور یہی چیز اللہ کے ہاں اس کی قدر و قیمت کا ذریعہ اور معیار ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ اس راہ پر چلنے والے تمام داعیانِ حق کو یہ مقام حاصل کرنا چاہیئے اور اپنے شوق و ولولے کا ایسا مظہر بننا چاہیئے کہ انہیں بھی یوں مخاطب کیا جا سکے کہ:

"لعلکم باخعین انفسکم علی آثارھم ان لم یؤمنوا ......"

سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار حقیقتیں ہر وقت حضورؐ کو بے قرار رکھتی تھیں:
ان میں سے ایک تصورِ آخرت ہے۔ ہم جسے جنت کہتے ہیں وہ ہدایت و ایمان کی حقیقت ہے اور جسے جہنم کہتے ہیں وہ کفر و شرک اور معصیت کی حقیقت۔ اس حقیقت کو پا جانے والی ہستی یہ کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ اپنے ہم بنی نوع انسان کو کفر و شرک میں پڑا رہنے دے تاکہ وہ ہولناک آگ کا ایندھن بنیں۔ ایسی ہولناک آگ جس کے شعلے کبھی ماند نہ پڑیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"مثلی کمثل رجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولھا جعل الفراش و ھذہ الدواب التی تقع فی النار یقعن فیھا وجعل یحجزھن ویغلبنہ فیتقحمن فیھا فانا اخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیھا" (متفق علیہ)

"میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب ماحول آگ کی روشنی سے روشن ہو گیا تو کیڑے پتنگے اس میں گرنے لگے۔ وہ شخص پوری قوت سے اُن پتنگوں کو آگ میں گرنے سے روک رہا ہے۔ لیکن پتنگے اس کی کوشش پر غالب آ جاتے ہیں اور آگ میں گھسے پڑ رہے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اِس طرح میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ اِس آگ میں گھُستے جا رہے ہو۔"

اس اندازِ بیان پر غور فرمایئے۔ "میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں۔" یہ آگ کیا ہے۔ یہی کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی، تو جو ہستی کفر و شرک کو یقین کی آنکھوں سے جہنم کی ہولناک آگ دیکھ رہی ہو وہ کیسے اپنے افرادِ نوع کو اس میں گرتا دیکھ کر چین سے بیٹھ سکتی ہے۔

دوسری حقیقت خدا کی رضا کا حقیقی جذبہ ہے۔ عمل کے بہت سے محرک ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہر محرک ختم ہونے والا ہے۔ خدا کی رضا اور خوشنودی ایک ایسا محرک ہے۔ جسے دوام حاصل ہے۔ حضورؐ کے وصال کے وقت جب صحابہ کرامؓ دل شکستہ ہونے لگے اور وفورِ غم میں مختلف قسم کی کیفیتیں اُن

پر طاری ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک حقیقت افروز خطبہ دیا۔ آپؓ نے فرمایا :

" الا من یعبد محمدؐ فان محمدؐ اقد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیی لا یموت ۔"

" جو شخص محمدؐ کی بندگی کر رہا تھا وہ خوب سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے جا چکے اور جو اللہ کی بندگی کر رہا تھا تو اللہ تعالےٰ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہ آئے گی ۔"

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ ترین تمثیل میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب کوئی بھٹکا ہوا بندہ اس کی طرف پلٹتا ہے اور ہدایت پاتا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا ایک ایسے شخص کا تصوّر کرو جو ایک بے آب و گیاہ لق و دق صحرا میں سفر کر رہا ہو، اُس کے اونٹ پر کھانے پینے کا سامان اور ضروریات ہوں، وہ اس صحرا میں ستانے کے لئے لیٹ جاتا ہے اور اُسے نیند آجاتی ہے ۔ اٹھ کر دیکھتا ہے تو اونٹ غائب ہے دن بھر تلاش کرتا ہے لیکن نہیں پاتا ۔ مایوس ہو کر تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے کہ اب موت ہی موت ہے اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جاتی ہے ۔ جب بیدار ہوتا ہے تو اونٹ پورے ساز و سامان کے ساتھ سامنے کھڑا ہے ۔ اسی شخص کی خوشی کا اندازہ کیجیئے ۔ اسی طرح جب کوئی بھٹکا ہوا بندہ خدا کی طرف پلٹتا ہے اور ہدایت پاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کو اس شخص سے بھی کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے ۔ تو خدا کی خوشنودی چاہنے والا پھر اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے کیوں بے قرار نہ ہوگا ۔

تیسری حقیقت انسانیت کا سچا درد ہے ۔ حضرت عائشہؓ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن سے زیادہ بھی کوئی سخت دن آپؐ پر گذرا ؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا تھا ۔ کہ جب مکہ والوں سے مایوس ہو کر آپ طائف والوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے پہنچے ۔ لیکن وہاں کے سردار نے غنڈوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا ۔ انہوں نے پیغامِ رحمت کے جواب میں آپؐ پر پتھر برسائے ۔ آپؐ لہو لہان ہو گئے ۔ پھر آپؐ پریشانی اور غم کی حالت میں وہاں سے چلے ۔ اللہ تعالےٰ نے ملک الجبال کو آپ کی خدمت میں بھیجا ۔ ملک الجبال نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ فرمائیں تو میں

ابو قبیس اور جبلِ احمر کو ٹکڑا دوں اور اس بستی کو پیس ڈالوں۔ رحمتِ عالم نے فرمایا:۔
"دعنی انذر قومی" نہیں رہنے دو، مجھے اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے دو۔ شاید اللہ تعالےٰ ان کے دل کھول دے یا ان کی اولادیں سے وہ لوگ پیدا ہوں، جو ہدایت قبول کریں۔ کیا تاریخ انسانیت کے اس سچے درد کی کوئی اور مثال بھی پیش کر سکتی ہے۔ انسانیت کے اس سچے درد کے ہوتے ہوئے انسانوں کو جہنم کی طرف بڑھتا دیکھ کر آپؐ کیسے بے قرار نہ ہوتے۔

چوتھی حقیقت یہ فکر ہے کہ انسان حقیقی فلاح سے ہم کنار ہو، جہنم سے نجات پائے جہنم سے نجات ہی فلاح ہے۔ یہی انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہی اسلام کی جان ہے۔ اسی کے لئے انبیاء کی بعثت اور کتابوں کا نزول ہوا۔

مَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔

(جو کوئی آتشِ دوزخ سے بچا لیا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا۔ یقیناً وہ حقیقی مراد پا گیا۔)

زندگی کی منزل بہرحال آخرت ہے اور انسان چار و ناچار اس منزل سے قریب ہو رہا ہے آخرت میں انسانی زندگی دو خانوں میں یقینی طور پر بٹ جائے گی۔ یا دائمی سکھ یا دائمی دکھ۔ اس حقیقت پر یقین رکھنے والا اور اس فلاح کی فکر کرنے والا یہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کے ہم نوع اس فلاح سے محروم رہیں اور ہمیشہ کی تباہی مول لیں، جبکہ ان ہی انسانوں میں اس کی عزیز ترین اولاد بھی ہے، محبوب ترین بیوی بھی ہے، شفقت کرنے والے ماں باپ بھی ہیں۔ جن کے ساتھ مل جُل کر وہ زندگی گزار رہا ہے۔ جن سے اس کا انسانی رشتہ ہے اور جو اسی کی طرح جان اور تکلیف و راحت کا احساس رکھتے ہیں۔

یہ چار حقیقتیں اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔ خدا کے رسول ان حقیقتوں کا پیکر تھے۔ وہ ہر وقت قوم کی فکر میں مضطرب اور بے قرار رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس یقین و ایمان کا ایک معمولی سا حصہ بھی ہمیں مل جائے تو ہماری زندگیاں جمود و سکون سے ناآشنا ہو جائیں اور جوشِ عمل سے اضطراب و بیقراری کا سراپا بن جائیں۔

سوز، ولولہ، شوق اور تڑپ، لگن اور جوشِ عمل داعیِ حق کے ہتھیار ہیں اور داعیِ راہِ حق کا سپاہی کسی وقت ہتھیار نہیں اُتارتا۔ جس مہم پر اسے لگایا گیا ہے وہ چند دنوں یا چند سالوں کی نہیں ہے، بلکہ زندگی بھر کی مہم ہے، جب تک سانس باقی ہے اسے اِسی مورچے پر لڑنا ہے، اس حقیقت سے غافل ہو کر کبھی کبھی داعیانِ حق سستانے بیٹھ جاتے ہیں تو شیطانی وساوس انہیں آ گھیرتے ہیں اور آہستہ آہستہ شیطان ان کے سارے ہتھیار اُتار لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غیر مسلّح ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی اور مصیبت میں دیکھ کر انہیں کوئی کڑھن نہیں ہوتی وہ برائیوں کو پروان چڑھتے دیکھتے ہیں مگر آگے بڑھ کر خدا کے باغیوں میں نبرد آزما ہونے کا عزم و حوصلہ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس حالات کی سنگینی دیکھ کر لرزتے رہتے ہیں اور قربانی کے تصوّر سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر انہیں کوئی متوجہ کرتا ہے تو اُلٹا اسی کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ دل میں جھانکنے کی عادت ختم ہو جاتی ہے اور اپنی اس داعیانہ افسردگی کے اسباب خارج میں تلاش کرتے ہیں۔ مختلف خارجی اسباب کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتے ہیں اور اپنے جمود و غفلت کا سرچشمہ ماحول کی سنگینی اور حالات کی رنگینی کو قرار دیتے ہیں۔

دراصل جو چیز اندر ہے وہ اُسے باہر تلاش کرتے ہیں۔ جو سب ان کے اپنے سینوں میں ہے اُسے دوسروں کے اقوال و اعمال میں ڈھونڈتے ہیں۔ اپنے آپ سے غافل ہو کر دوسروں کو نشانۂ ملامت بناتے ہیں۔ سینے کے اندر دل و دماغ کی قوتوں سے نشو و نما پانے والے جذبات کو باہر کی مادی غذاؤں سے پروان چڑھانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کیسی نادانی ہے۔ اور کتنا فریب ہے جو وہ اپنے آپ کو دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داعیانہ زندگی کا یہ پہلو قیامت تک اُٹھنے والے عام داعیانِ حق کے لئے ایک کھُلی کتاب اور روشنی کا مینار ہے۔ جب تک اُمّت اس سے درس لیتی رہے گی اور اس روشنی سے استفادہ کرتی رہے گی، جمود و تعطل، مایوسی اور سرد مہری کا شکار نہ ہو گی۔